امریکی امداد کے بھنور میں

پھنسی پاکستانی ناؤ!!!

کیا ہمارے پاس خود انحصاری کے علاوہ کوئی دوسرا رستہ ہے؟

سہیل احمد لون

''اقتصادی امداد حقیقت میں دوسری جنگ عظیم کے بعد منظر عام پر آئی۔ جب امریکہ یورپ کے ملبے کو امریکہ کی بے پناہ امداد کے ذریعے ایک نئی صنعتی طاقت بنانے کے در پہ تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا۔ امریکہ دوسری جنگِ عظیم کا نامزد ملزم ہونے کے باوجود ہر طرح کی سزا اور تباہی سے محفوظ رہا۔ یورپ کی تعمیرِ نو کا مقصد امریکہ نے نہ تو انسانی ہمدردی کے بنیاد پر کیا اور نہ ہی اُسے مذہبی حوالے سے کوئی ایسا لگاؤ اپنے ہم مذہبوں سے تھا۔ امریکہ نہ تو یورپ میں نئے چرچ بنانے کا تمنائی تھا اور نہ ہی وہ فنونِ لطیفہ کے نئے ادارے بنانا چاہتا تھا۔ امریکہ دراصل مغربی یورپ کو کمیونزم کے دیوہیکل ویل کے منہ میں جانے سے بچانا چاہتا تھا اگر مغربی یورپ کمیونزم کے زیرِ اثر آجاتا تو براعظم امریکہ کی طرف اُس کی پیش قدمی اتنی ہی یقینی تھی جتنی کہ اس ٹڈی دل کی ہوتی ہے جو صحرائے عرب سے ہوتا ہوا براعظم پاک و ہند اور وسطی چین میں داخل ہو جاتا ہے۔ امداد کا ایک مخصوص مقصد ہوتا ہے اور یہ مقصد خیرات نہیں ہوتا بلکہ باہمی خود حفاظتی ہے۔ دوسروں کو استبدادیت سے بچانا خود اپنی حفاظت ہوتا ہے۔ تعمیرِ نو کے بعد یورپ سے کمیونزم کا خطرہ ٹل گیا۔ غالباً ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کی امداد اس سے بھی زیادہ ضروری ہے تا کہ وہ اپنی آزادی برقرار رکھ سکیں۔ بلاشبہ دوسری جنگ عظیم میں یورپ کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن ایشیا اور افریقہ کو ایسے مسائل کا سامنا رہا ہے جو جنگوں کے نتائج میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایشیائی ممالک بھی پچھلی جنگوں میں روندے گئے لیکن جنگ کی تباہ کاریوں سے ایشیا اور افریقہ کو جو مادی نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے بھی بدتر وہ مستقل غربت ہے جو دو براعظموں کے لوگ نسل در نسل برداشت کرتے چلے آرہے ہیں۔ حتیٰ کہ ایشیا اور غربت ایک دوسرے کے مترادف بن گئے۔ ہماری زمینیں زرخیز ہیں لیکن ہمارے عوام غریب ہیں۔ بیماری ہمارا ورثہ ہے اور بچوں کی آہ بکا ایشیا کی آواز ہے۔ مراعات یافتہ طبقے کے مہین پردے پیچھے غمگین انسانیت کا مصیبت زدہ سمندر ہے۔ کیا یہ پہلے سے مقدر شدہ قانون اور ایشیا کا ناقابلِ تغیر مقدر ہے؟ اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ انسانوں کا اجتماعی ضمیر عرصہ دراز سے ایسے حالات کو برداشت کرتا چلا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ ایشیائی قیادت کا نعرہ دائمی افلاس کے دھبے کو دھونا ہے۔ اس عظیم ترین چیلنج پر قابو پانے کیلئے ہر شخص کو کمر بستہ ہو جانا چاہیے انفرادی سطح پر تمام تر قربانیاں مسائل کو چھو بھی نہیں سکتیں۔ صدیوں سے غیر ایشیائی باشندوں نے ایشیا کی محنت پر گزارہ کیا ہے اور غریب سے امیر ہو گئے۔ ''سورج سے محروم، ریشم سے محروم اور گرم مصالحوں سے محروم بحر اوقیانوس کے معاشرے'' کی مشرق کی دولت کو ہڑپ کر جانے کی بے پناہ ہوس نے ہمیں کنگال کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ ان کا بھی اتنا ہی

ہے جتنا ہمارا ہے۔انہیں کم از کم جزوی طور پر ایشیا کو وہ سب کچھ واپس کر دینا چاہیے جو اس کی ملکیت تھا۔غیر ملکی امداد معقول اور افادی وجوہات کی بناء پر دی جاتی ہے۔جو حکومتیں دوسرے ملکوں کو امداد دیتی ہیں، وہ اس پالیسی کی قدر و قیمت اور ضرورت کو سمجھتی ہیں۔یہ جانتے ہوئے کہ امداد جدید دور کی حکمت عملی ہے کی ایک ناگزیر خصوصیت ہے، وہ اپنے عوام سے ضروری قربانیوں کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہیں تا کہ انہیں مزید قربانیاں نہ دینی پڑیں۔یہ حکومتیں وقتاً فوقتاً اپنے عوام کے سامنے امداد کے فلسفے اور اسے جاری رکھنے کی ضرورت کی وضاحت کرتے رہتی ہیں۔اس کے باوجود کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو امداد کو خیرات کہنے پر مصر ہیں۔امداد پانے والے ملک امداد پا کر ممنون ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں وہ اس کا ضرورت سے زیادہ لحاظ بھی کرتے ہیں۔بدقسمتی سے وہ لوگ جو امداد کو خیرات کہتے ہیں مسئلے کے اس پہلو پر کم ہی توجہ کرتے ہیں۔یہ بات کسی قوم کی، خواہ وہ کتنی ہی غریب کیوں نہ ہو، عزت نفس کے خلاف ہے وہ دولت مند اقوام کے دروازوں پر ہاتھ میں کشول گدائی لیے ہوئے پھرتی رہیں بلاشبہ امداد کا اگر یہی واحد تصور ہوتا اور کوئی دوطرفہ مفاد نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ کوئی قوم طویل عرصہ تک اس قسم کے حالات کو برداشت کرتی۔''امداد بارے مندرجہ بالا خیالات پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ہیں لیکن اس تحریر اور موجودہ معروض کے درمیان تقریباً 50 سالوں سے زائد کا طویل عرصہ حائل ہے۔ذوالفقار علی بھٹو نے جس عہد میں یہ تجزیہ لکھا اُس وقت دنیا دائیں اور بائیں دو بڑے بلاکوں میں تقسیم تھی جیسا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے خود ہی لکھا ہے کہ کمیونزم کے خطرے نے امریکہ کو یورپ کی از سر نو تعمیر پر مجبور کیا جبکہ روس جو اُس کا اتحادی تھا اور دوسری جنگ عظیم میں تباہ و برباد ہو چکا تھا اُس کے اتحادیوں نے اُس کی مدد کرنے کے بجائے جاپان کے شہروں پر ایٹم بم گرا کر اُسے دھمکا دیا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد صرف امریکہ ہی دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہوگی۔جنگ عظیم دوم کے دوران ہی سرد جنگ کا آغاز ہوا جس سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھتا ہے۔اُسی سرد جنگ کے نتیجے میں دنیا واضح طور پر دو بلاکوں میں تقسیم ہوگئی اور پھر امریکی امداد کے جال نے دنیا کو غلامی کے نئے تصور سے روشناس کروا دیا۔پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی ہمارے پاس دو آپشن تھے کہ ہم امریکہ سے دوستی کی بڑھا لیں یا پھر روس کے ساتھ تعلقات رکھیں۔1950ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان روس کا طے شدہ دورہ منسوخ کر کے امریکہ چلے گئے اور اُس دن کے بعد پاکستان نے کبھی سکھ کا سانس نہیں لیا۔پاکستان ایک کے بعد ایک بحران کا شکار ہوتا رہا لیکن پاکستان کے دوست اور غمخوار امریکہ برے وقت میں کبھی بھی اُس کی مدد کو نہ پہنچا۔کمسن پاکستان کو صرف 4 سال کی عمر میں شاطر بوڑھے امریکہ کے ساتھ غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر بیاہ دیا گیا۔یہ رشتہ مجبوری میں کیا گیا یا خوشی سے مگر مقصد ترقی اور خوشحالی ہی ہوگا۔یہ علیحدہ بات ہے اس رشتے میں عوام کی رضامندی, پسند یا رائے لینا مناسب نہ سمجھا گیا اور یہ روش آج بھی قائم ہے کہ حکمران عوام سے ووٹ تو لیتے ہیں لیکن عوامی خواہشات کا احترام نہیں کرتے۔عوام کی رائے کسی بھی بڑے قومی معاملے میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔مگر ہمارا ایک مخصوص طبقہ آج بھی اس ملک کے سیاہ سفید کا اپنے آپ کو ہی مالک سمجھتا ہے۔ساٹھ سال سے زائد عرصہ میں اس رشتے میں کئی بار نمک حرامی, بے وفائی, اور غداری کی دڑاریں پڑیں۔"ظل پناہ" امریکہ کئی بار جلال میں آئے۔حقہ پانی بند کیا, علیحدگی ہوئی, اور نوبت طلاق تک بھی آئی۔پھر "بندی" کو جھکنے اور مزید جھکنے کا کہا گیا.....جھکتے جھکتے آخر لیٹ ہی گئے۔آخر محبت اور جنگ میں سب جائز ہے ناں! ظل پناہ کو عشق ہو نہ

ہوادھرتو عشق کا یہ عالم ہے کہ یار کو راضی کرنے اور خوش رکھنے کے لیے افغانستان کی سخت چٹیلی پہاڑیاں ہوں یا پاکستان کے سرسبز پہاڑ ہر جگہ سر پٹخنے کو تیار ہیں۔اگر شیریں کی خاطر فرہاد پہاڑ کھود سکتا تھا , تو کیا ہم "مجازی خدا" کو راضی کرنے اور خوش رکھنے کے لیے سوات اور وزیرستان کے پہاڑوں کو نہیں توڑ سکتے ؟

لیلیٰ کے عشق میں قیس در بدر ٹھوکریں اور لوگوں سے پتھر کھا سکتا تھا تو کیا ہم "جہاں پناہ " کو سکون دینے کے لیے اپنے اوپر ڈرون اور بموں کی بارش نہیں کروا سکتے ؟ مہینوال کے پیار میں سوہنی کچے گھڑے پر تیر سکتی تھی تو کیا ہم اپنے "سرکے سائیں" کی خوشنودی کے لیے "پکے لوٹوں "پر بھروسہ نہیں کر سکتے ؟ آخر ہم نے "وڈے سائیں" سے رشتہ بھی تو نبھانا ہے ناں !.....طلاق تو بڑی دور کی بات ہے ہم تو علیحدگی بھی برداشت نہیں کر سکتے ہمیں تو "حضور اعلیٰ" کی ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔کیونکہ ان سے ناراضگی بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ہم تو مفاہمت پہ یقین رکھتے ہیں۔دوستی اور رشتے کو تقویت دینے کے لیے ہم کسی بھی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔یہ بات الگ ہے کہ اس رشتے میں توازن ہو نہ ہو.....! ہم تو اس رشتے کو سدا نبھانے کے لیے تیار ہیں چاہے ہمارا کچھ رہے نہ رہے۔مگر کچھ "غیرت مندوں" کے خون نے جوش مارنا شروع کر دیا ہے۔جو یہ کہہ رہے ہیں کہ قبل اس کے "سرکار اعلیٰ" طلاق دے اس سے خود ہی " خلع " لے لو۔کیونکہ اس کی "منکوحہ "ہو کر نہ کوئی فائدہ ہوا ہے اور نہ ہی اس کی "مطلقہ "ہو کر کوئی فائدہ ہوگا۔ہاں "خلع "کے جرات مند فیصلے سے مرعوب ہو کر شاید کوئی ہمسایہ رشتہ پکا کر لے۔اس میں ہو سکتا ہے ہمیں "وڈے سائیں" کے حق مہر سے ہمیشہ کے لیے محروم ہونا پڑے۔ویسے بھی سوچیں تو کیا فرق پڑتا ہے؟ منہ دکھائی سے لے کر آج تک اس "منکوحہ " کو جو جیب خرچ ملتا رہا ہے اس میں تو یہ بیچاری اپنی صحت, تعلیم اور میک اپ پر آدھا بھی خرچ کر لیتی تو آج معاشی حسن اتنا ہوتا کہ اس طرح کے کئی "آقا" رشتہ جوڑنے کے لیے ہاتھ باندھ کر قطار میں کھڑے ہوتے۔بدقسمتی سے یہ جیب خرچ بھی ان دلالوں کے جیبوں کی زینت بنتا رہا جو کہتے تو اسے "دھرتی ماں" ہیں۔مگر "سفید مکان کے مرد اول " کو "مائی باپ" کہتے اور سمجھتے رہے۔شاید یہ مال کھانے کی مجبوری تھی جس نے ان کو.....باپ بنانے پر آمادہ کیا!!!!

منکوحہ بن کر ظلم , بربریت , جارحیت اور ناروا سلوک سے اپنی سالمیت اور خودمختاری کو داؤ پر لگائے رکھنا ہے۔یا .....غلامی کی زنجیر کو ذرا ڈھیلا کرنے کی پاداش میں طلاق لینی ہے.....یا کبھی نہ خوش ہونے والے اس "سرتاج" سے بے تاج ہو کر "خلع "لینی ہے۔اس فیصلے میں اب بہت تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ہمیں غفلت کی اس نیند سے بیدار ہونا پڑے گا اور ملک وقوم کے وسیع تر مفادات کے لیے ٹھوس اور جرات مندانہ فیصلے کرنے ہونگے۔

امریکہ نے اپنی روایات دہراتے ہوئے ایک بار پھر 800m ڈالر کی امداد روک دی ہے۔جس کے بعد کور کمانڈرز کے 140 ویں اجلاس میں یہ ایک ولولہ انگیز اور جرات مندانہ اعلان بھی کیا گیا کہ کسی کی مدد کے بغیر اپنے وسائل سے جنگ لڑیں گے۔اس فیصلے پر اگر خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو ساری قوم کی دعائیں اور نیک جذبات پاک فوج کے ساتھ ہونگے۔اس سے پاک فوج کا اعتماد اتنا بلند ہو جائے گا کہ وہ ناقابل تسخیر ہو سکتے ہیں۔جہاں تک امداد کا تعلق ہے تو کوئی گھر یا ملک ساری زندگی امداد پر نہیں چل سکتا۔ایک نہ ایک دن اس کو اپنے وسائل کے ساتھ پاؤں پر کھڑا ہو کر دنیا کے ساتھ عزت سے سر اٹھا کر قدم سے قدم ملا کر چلنا پڑتا ہے۔کیوں نہ آج سے ہی ہم یہ

عہد کرلیں کہ ہم اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر محنت دیانتداری کے بل بوتے پر دنیا میں اپنا نام روشن کریں۔ اگر جرمنی, جاپان اور کوریا پانچ دہائیوں میں اپنے آپ کو مستحکم کر سکتے ہیں تو ہم میں بھی اتنا ٹیلنٹ موجود ہے کہ ہم بھی عزت سے جی اور مر سکیں۔ عزت اور وقار سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم امداد اور قرضے کی بیساکھوں کو خود توڑ دیں۔ کام ہے ذرا مشکل کیونکہ اتنی پرانی عادت ایک دم سے چھوڑنا بھی بڑی جرات مانگتا ہے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ قومیں امداد اور قرضوں سے کبھی عروج حاصل نہیں کر پائیں۔ ہمیں بھی کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا۔

امریکی امداد کا یہ مدوجزر بہت پرانا ہے۔ کئی بار امداد بند کی گئی, معطل کی گئی اور روکنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ جب امریکی امداد روکی گئی تو عوام کا طرز زندگی وہی رہا جو امداد کی بحالی کے دوران تھا!! بس فرق ایک مخصوص طبقے کو پڑتا ہے جو براہ راست اس امداد سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ امریکی امداد کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں ان ادوار میں AID پاکستان کو AIDS کی طرح چپکی نظر آتی ہے جن میں حاکم اعلیٰ فرد واحد یعنی کوئی نہ کوئی ڈکٹیٹر تھا۔ ان میں ایوب خان, ضیاء الحق اور پرویز مشرف کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے "شہوتِ اقتدار" کے نشے کو پورا کرنے کے لیے اپنے منصب اعلیٰ کو بھی طول دیا۔ اس میں ان کو امریکی آشیر باد بھی حاصل تھا۔ اس کے برعکس جمہوریت کے علمبردار امریکہ نے ہماری جمہوری حکومتوں کے ادوار میں اکثر اس AID کا گلہ گھونٹنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں ذولفقار علی بھٹو اور نواز شریف کے نام سب سے نمایاں ہیں۔ اس وقت بھی جمہوری حکومت ہے جب امریکی انتظامیہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ایک تہائی سے زائد فوجی مدد کے زمرے میں ملنے والی امداد کو فوری طور پر روک رہے ہیں۔ جس میں حساس اداروں میں استعمال ہونے والے فوجی ساز و سامان, دفاعی آلات, پرزہ جات اور سیکیورٹی پر ہونے والے اخراجات شامل ہیں۔ پاکستان کے لیے امریکی امداد کی ایک طویل سیاسی تاریخ ہے۔ ماضی میں بھی ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔ بیرونی امداد کا یہ سلسلہ 1948ء سے شروع ہوا۔ جب پہلی بار معاشی ترقی کے لیے برائے نام امداد دی گئی۔ پہلی بار باقاعدہ طور پر امریکی مدد 1952ء میں لیاقت علی خان کے قتل کے بعد پاکستان کو دی گئی۔ اقتصادی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے 1962ء سب سے زیادہ 2.3 بلین ڈالر کی ریکارڈ امریکی مدد دی گئی۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں کے دوران اور جنگوں کے فوراً بعد بھی ڈرامائی طور پر اپریکی امداد کا یہ سلسلہ روک دیا گیا تھا اور اس کی وجوہات بتانے کی زحمت بھی امریکہ نے کبھی نہیں کی یقیناً یہ اُس کا اختیاری معاملہ تھا لیکن حیرت انگیز طور پر 1970ء کی دہائی میں اس میں بتدریج کمی کی گئی جبکہ پاکستان کو اُس وقت امریکی امداد کی شدید ضرورت بھی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے عہد میں امریکی امداد کی رہی شاید اُسی کی وجہ ذوالفقار علی بھٹو کے روس اور چین سے تعلقات تھے۔ 80ء کی دہائی میں ضیاء الحق کے دور میں سوویت یونین کی جارحیت کے خلاف افغانستان میں مجاہدین کی مدد کرنے کے سلسلے میں بھی اس امداد کا تسلسل بڑی باقاعدگی اور خوش دلی سے جاری رہا اور یہ امریکہ کا سب سے بڑا مفاد تھا جو پاکستان نے پورا کر دیا 1989ء میں امریکی صدر ریگن اور روسی صدر گورباچوف نے ہاتھ ملا کر سرد جنگ کے خاتمے کا اعلان کر دیا اور امریکہ افغانستان سے اپنی دکان بڑھا گیا اور پھر اُس نے نائن الیون سے پہلے تک کبھی افغانستان اور پاکستان کی کوئی خیر خبر نہ لی البتہ بھارتی ایٹمی دھماکوں کے بعد جب پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے تو امریکہ نے پاکستان پر نہ صرف پابندیاں عائد کر دیں بلکہ اُس کی ہر طرح کی

امداد بھی تقریبا بند کردی۔ 1998ء میں امداد کا یہ سلسلہ پاکستان کے جوہری پروگرام کے منظر عام پر لانے کی پاداش میں تاریخ کی کم ترین سطح تک چلا گیا۔نائن الیون کے بعد امریکہ کو ایک بار پھر پاکستان کی ضرورت درپیش تھی سو 2002ء میں امریکی امداد کی برکات شروع ہوگئیں۔2009ءاور 2010ءمیں پاکستان کو دہشت گردی کی جنگ میں فرنٹ لائن کا حلیف بننے کے انعام کے طور پر دیئے گئے۔2010ءمیں 2.5 بلین ڈالر فوجی امداد کی صورت میں ادا کیے گئے جبکہ 1.2 بلین ڈالر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حمایت کرنے اور اتحادی بننے کی وجہ سے دیا گیا۔امریکی قرضوں کی تاریخ کے چارٹ کو غور سے دیکھا جائے اور تو اُس کی خارجہ پالیسی کے بہت سے تاریک پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔جب ہمیں ضرورت پڑی امریکہ نے کبھی ہمیں امداد نہیں دی لیکن اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے اُس نے ہمیں امداد دے کر اپنے کام کروائے اور پاکستان کے وہ نا عاقبت اندیش حکمران جنہوں نے امریکی مفادات کی تکمیل کیلئے امداد لی اور نہ صرف پاکستانی عوام کو مقروض کر دیا بلکہ وہی امداد امریکہ کے کام آئی۔جنرل ضیاءالحق کے دور میں ملنے والی امداد اب ہم سود کے ساتھ غیر محسوس طریقے سے امریکہ کو واپس کر رہے ہیں لیکن شاید ایسی واپسی کا کوئی حساب کتاب اور کھاتہ نہیں ہوتا۔امریکی دوستی بجا لیکن امریکی امداد سے کنارکشی اختیار نہ کی تو شاید ہم اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو بھی نہ سنبھال سکیں جو ہر لمحے امریکی قرضے کی دلدل میں پھنستا جا رہا ہے ۔دانشوروں کا ایک گروہ سقوط ڈھاکہ سے پہلے بھی یہ منفی پروپیگنڈا کرتا رہا ہے کہ پاکستان قیامت تک کے لیے قائم رہنے کیلئے بنا ہے لیکن پھر پاکستان ٹوٹ گیا اور انہیں دانشوروں کے دیئے ہوئے انڈوں میں سے نکلنے والے بچوں نے یہ درس رٹنا شروع کر دیا۔اللہ تعالیٰ کا کھلا فیصلہ ہے کہ جو قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی اللہ بھی اُس کی حالت نہیں بدلتا۔

حسب ذیل چارٹ میں 1948ء سے 2010ء تک کی امریکی امداد کی تمام تفصیل بیان کی گئی ہے۔